شیخ نظام الدین اولیاءؒ

نثار احمد فاروقی

۱۔ حلیہ اور لباس

حضرت گیسو درازؒ نے جن کے نانا شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے، ایک موقع پر شیخ کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا کہ آپ کا رنگ گورا، قد درازی مائل، بڑی بڑی سرخ آنکھیں، جیسے نشے میں سرشار ہوں۔ گھنی خوش وضع ڈاڑھی، سر پر عمامہ، بڑی اور چوڑی آستینوں کا نیچا کرتا زیب تن فرماتے تھے، کہیں باہر تشریف لے جاتے تو جبّہ جامگی پہنتے تھے۔ چہرے سے عظمت اور خوش حالی ظاہر ہوتی تھی۔ چونکہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور غذا بہت ہی کم تھی، اس لئے پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا رہتا تھا۔ لباس میں اپنے شیخ کی وضع اختیار کرتے تھے۔ ایک دن جمعہ کی نماز کے لئے تیاری فرما رہے تھے، خادم نے لباس پیش کیا، آپ نے پہن لیا تو اس نے کلاہ اور دستار پیش کی، آپ نے کلاہ پہننے کے لئے اٹھائی تو دیکھا کہ اس میں شیرازہ (ڈورے) نہیں ہے، آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہمارے شیخ نے کبھی بغیر شیرازے کی کلاہ نہیں پہنی ہے اس لئے میں بھی نہیں پہنتا۔ ۲

آپ اپنے شیخ حضرت بابا فریدؒ کی طرح فیل گوشی وضع کی دستار باندھتے تھے جس میں کور پر کور چڑھ کر ہاتھی کے کان کی سی ہیئت بن جاتی ہے اس میں سات تہیں ہوتی تھیں۔ دستار میں آپ کا ایک کان

۱۔ [ولادت ۴۔ رجب ۶۳۰ھ۔ وفات ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ]۔ حضرت بندہ نوازؒ نے یہ حلیہ 'جوامع الکلم' میں بیان کیا ہے اس پر اضافے دوسرے مآخذ کی مدد سے کئے گئے ہیں۔

۲۔ مجالس حسنہ، ص ۹۔

ڈھکا رہتا تھا دوسرا کھلا رہتا تھا۔[۳] شیخ کے خلیفہ برہان الدین غریب بھی اسی انداز سے پگڑی باندھتے تھے۔[۴]

لباس میں اتنا اہتمام تھا کہ ایک بار کسی نے لکھنوتی (بنگال) سے جھمر تلی کا کپڑا آپ کو بطور ہدیہ بھیجا۔ خادم نے دریافت کیا کہ اسے تراش کر آپ کے لئے کرتا بنا لیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کو جھمر تلی کا کپڑا پہنے نہیں دیکھا تو میں کیوں پہنوں؟۔ اُس وقت مجلس میں بابا صاحبؒ کے کوئی مرید بھی موجود تھے اُنہوں نے کہا کہ شیخ نے جھمر تلی کا لباس پہنا ہے۔ حضرت نظام الدین نے فرمایا کہ اگر اُنہوں نے پہنا ہے تو یہ (گواہ) ذمہ دار ہیں۔ میرے لئے بھی بنا دو۔[۵]

ابتدائے حال میں جب آپ شہر دہلی میں رہتے تھے اور غیاث پور منتقل نہیں ہوئے تھے شام کو سیر کرنے کے لئے حوض رانی کے پاس باغ جسرتھ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ اُس زمانے میں بہت بارونق علاقہ تھا۔ ہر طرف چمن لگا ہوا، صاف ستھری خوبصورت روشیں، گھنے سایہ دار درخت دور تک سبزے کا فرش۔ درمیان میں پختہ حوض جس کا پانی صاف شفاف اور شیرینی میں لاجواب تھا۔ آپ وہاں چہل قدمی کرتے ہوئے قرآن شریف حفظ کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی سایہ دار درخت کے نیچے مصلیٰ بچھا کر نوافل پڑھنے لگتے۔ ایک دن آپ اسی طرح نفل پڑھ رہے تھے چند لوگ آپ کے قریب بیٹھے تھے اُنہوں نے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں شروع کر دیں۔ ایک شخص کہنے لگا کہ "یہ صاحب جو نماز پڑھ رہے ہیں کوئی درویش معلوم ہوتے ہیں"۔ دوسرے نے کہا کہ "غالباً حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے سلسلے میں بیعت ہیں"۔ پہلے نے پوچھا کہ یہ تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟ تو اُس نے کہا کہ "ان کی دستار باندھنے کی وضع سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"۔[۶]

---

۳ - ایضاً ص ۱۰

۴ - ایضاً ص ۹ - ۱۰۔ لیکن لطائف اشرفی، ۲۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہروردیوں کی وضع ہے مشائخ چشت کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کان ڈھکے ہوں تاکہ "نہ حق شنوند نہ باطل"۔ میرا خیال ہے کہ لطائف اشرفی کی روایت مجالس حسنہ سے زیادہ اہم ہے۔

۵ - احسن الاقوال (ملفوظات حضرت برہان الدین غریب)۔ (قلمی نسخہ خلد آباد)

۶ - مجالس حسنہ ص ۹

شیخ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ سلام پھیرتے ہی آپ نے اپنی دستار اُتاری اور اُسے دوبارہ فیل گوشی
ع پر باندھا، اور دل میں سوچا کہ مجھے ایسا لباس اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ دیکھنے والے مجھے کسی دوسرے
سلسلے سے وابستہ سمجھنے لگیں۔"

جیسا کہ ابھی بیان ہوا، شیخ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور اُن میں شب بیداری اور کثرتِ ذکر و شغل
وجہ سے سُرخی چھائی رہتی تھی۔ آنکھوں میں ہر وقت آنسو تیرتے رہتے تھے۔ اشک ریزی کا یہ عالم تھا
کہ کبھی آپ ہنستے تھے تو اُس وقت بھی آنکھوں سے پانی نکلتا رہتا تھا جسے آپ بار بار رومال سے صاف
تے جاتے تھے۔ بابا صاحبؒ کبھی اُن سے خوش ہوتے تو یہ دعا دیتے تھے کہ خدا تمہیں درد دے اور نصیحت
تے تھے کہ خدا سے مناجات میں یہ تین چیزیں مانگا کرو "وقتِ خوش و آبِ دیدہ و راحتِ دل"[1] اور اللہ
نے ان مخصوص نعمتوں کے سارے خزانے آپ کو عطا فرما دیئے تھے۔

مراقبے کے لئے آپ زانوئے ادب سے قبلہ رو ہو کر بیٹھتے۔ کبھی ایک زانو کھڑا کر کے اُس سے ماتھا
ـ کر بھی مراقبہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت بابا فریدؒ اور مولانا بدرالدین اسحاق بھی اسی طرح
قبہ کیا کرتے تھے۔[2]

مراقبے مختلف اسماء اور مختلف مقامات کے ہوتے ہیں۔[3] نصیر الدین چراغِ دہلی نے اپنے شیخ کی
سند پر اسمِ "یا علیمُ یا سمیعُ یا بصیرُ" کا مراقبہ اس طرح بتایا ہے۔ "مراقبے کے لئے اس طرح بیٹھے جیسے
ہد کے لئے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ اور چشمِ باطن کو دل کی طرف مرکوز رکھے اور یہ تصور کرے کہ میں حق سبحانہٗ
اتِ اقدس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ نظر آسمان کی طرف رہے، اور ایسا تصور کرے گویا روح جسم سے
نکلی ہے اور آسمانوں سے گذر کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے۔ جب اس تصور میں استقامت
ہو گی تو ایک سبز دھاگہ نظر آنے لگے گا جس کا ایک سرا ساتویں آسمان سے بھی اُوپر ہوگا اور دوسرا سالک
دل میں ہوگا۔ یہی اس مراقبے کا حاصل ہے۔ اس کی پہلی منزل کو مراقبہ، دوسری کو مشاہدہ اور تیسری کو
ینہ کہتے ہیں۔"

---

[1] ۔ مجالس حسنہ ص ۹

[2] ۔ دُررِ نظامی (باب ۱۵) ۱۴۲

[3] ۔ کشکول کلیمی ص ۲۹ ۔ ۳۰ (قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم)

دُررِ نظامی کے مؤلف علی بن محمود جانداؔر نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب "خلاصۃ اللطائف" عربی زبان میں لکھی تھی۔ مؤلف سیر الاولیاء نے اُس کا ایک اقتباس لیا ہے اور اُس کو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں نقل کیا ہے۔ علی بن محمود کہتے ہیں "میں نے اپنے شیخ اور مخدوم سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرّہٗ العزیز کو حالتِ مراقبہ میں دیکھا جب میں نے ایک بار کسی وقت اُن کی مجلس میں داخل ہونا چاہا تو دیکھا کہ آپ بہت فراغت کے ساتھ بالکل ساکت بیٹھے ہیں اور بظاہر بدن میں قطعاً جنبش نہیں ہے۔ اُن کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہم نے اپنے آنے کی خبر دی، مگر آپ نے ہمیں نہیں پہچانا۔ پوچھا: "تم کون ہو"؟ میں نے آپ کو استغراق کے اس عالم میں دیکھ کر اُلٹے پاؤں واپس ہونا چاہا، تو آپ نے دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں مل کر مجھے دیکھا اور پہچان کر فرمایا: "بیٹھو"۔ میں بیٹھ گیا تو آپ ہم کلام ہوئے۔ آپ کی آنکھیں اس طرح گردش کر رہی تھیں جیسے نشے میں ہوں۔ فرمایا: "گھر میں کیا کرتے رہتے ہو؟" عرض کیا: مخدوم نے جو شغل تعلیم کیا ہے وہ کرتا رہتا ہوں۔ فرمایا "اللہ سے مشغولی پیدا کرو"۔ پھر فرمایا "فقیر کے لئے مناسب ہے کہ اپنے دل میں ہر وقت یہ تصور رکھے کہ خدا اور رسول کے سامنے بیٹھا ہوں اور اس شغل کی مداومت کرے"۔ پھر فرمایا: "جاؤ، باہر جا کر ساتھیوں میں بیٹھو میں اس وقت مشغول ہوں"۔ [۱۰]

شیخ کی مراقبے کی حالت کا ایسا ہی بیان بابا صاحبؒ کے پوتے شیخ عزیز الدین کا بھی ہے جسے مؤلف سیر الاولیاء نے نقل کیا ہے۔ [۱۱]

۲۔ خانقاہ مبارک

دہلی میں جہاں آج کل ہمایوں کا مقبرہ ہے اُس کے محاذ میں شمال کی طرف غیاث پور کی بستی تھی اور جنوب میں کیلوکھڑی آباد تھا۔ جاگیرداری نظام میں متوسط طبقہ برائے نام ہوتا تھا۔ یا تو اُمراء ہوتے ہیں یا پیشہ ور۔ غیاث پور ابتداء میں چھوٹا سا گاؤں تھا، عام طور سے غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھر چھپر کے تھے۔ مگر معز الدین کیقباد کے زمانے میں ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) کے لگ بھگ کے کنارے دُور دُور تک بادشاہ اور اس کے امیروں کے عالی شان محل بھی تعمیر ہو گئے تھے۔ جمنا اور

[۱۰] ۔ اخبار الاخیار ص ۹۴-۹۵ (طبع ۱۲۶۵ء)۔

[۱۱] ۔ سیر الاولیاء (طبع ۱۳۰۲ھ)۔

مشرق کی طرف بڑھ گئی ہے اُس وقت یہ مغرب میں تھی، اور اُس جگہ بہتی تھی جہاں سے اب رِنگ روڈ گذرتی ہے۔ شیخ نظام الدینؒ ابتدا میں کسی کچے مکان میں آکر رہے تھے بعد کو ضیاءالدین وکیل نامی ایک شخص نے جو شیخ کے مرید تھے عہدِ بلبن کے آخر میں ایک وسیع قطعۂ زمین پر ایک مضبوط اور کشادہ خانقاہ بنوا دی تھی۔ اُس کا آنگن بہت بڑا تھا، جس میں برگد اور پاکھر وغیرہ کے درخت بھی تھے۔ جماعت خانے میں صدر دروازے دو تھے ایک اندر جانے کے لئے، دوسرا باہر آنے کے لئے۔ اسی لائن میں ایک کمرہ بھی تھا جس کے در شرق رویہ تھے اور کھڑکیاں غرب رویہ۔ اس کمرے کے سامنے ایک چبوترہ تھا اور اُس سے نیچے اُتر کر بڑا صحن، جسے عبور کرکے جماعت خانے میں پہنچ سکتے تھے۔ جماعت خانے کی عمارت بہت سے ستونوں پر کھڑی تھی کیونکہ اُس زمانے کے معمار پٹاؤ یا لنٹل کی بڑی چھتیں نہیں بنا سکتے تھے عمارت بڑی ہوتی تو اس کی چھت کو زیادہ ستون بنا کر تھامتے تھے۔ اس جماعت خانے کا طرزِ تعمیر ایسا تھا جیسا حضرت امیر خسرو کے مزار کے سامنے حجرۂ قدیم کی چھت کا انداز ہے یا جس طرح حضرت برہان الدین غریب کے مزار (واقع خلد آباد) کا لنگر خانہ ہے۔

شیخ کی خانقاہ میں ہر ستون کے ساتھ طالبانِ خدا کے بستر لگے رہتے تھے ان میں بعض ایسے تھے جن کی زندگی کا بہترین حصہ اس آستانے کی جاروب کشی میں بسر ہو گیا تھا اور کچھ وہ درویش ہوتے تھے جو دور دراز علاقوں سے اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے۔ یہ جماعت خانہ، کسی مسافر خانے کی طرح درویشوں سے کچھا کھچ بھرا رہتا تھا، جگہ کی تنگی کی وجہ سے شیخ نے ایک بار اپنے خلیفۂ خاص نصیر الدین چراغ دہلی تک کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ جماعت خانے میں دس دن سے زیادہ قیام نہ کریں حالانکہ وہ اودھیا (موجودہ فیض آباد) سے چل کر اپنے پیر و مرشد کی زیارت کرنے کو آیا کرتے تھے۔

جماعت خانے سے متصل، جانبِ شمال، ایک سہ دری تھی اس کی بغل میں ایک کمرہ تھا، جس میں شیخ کی نشست رہتی تھی، اور یہیں قیلولہ فرماتے تھے، اس کمرے میں آپ کا کتب خانہ بھی تھا۔ صحن میں وضو کرنے کے لئے غالباً ایک حوض بھی تھا۔ نماز جماعت خانے میں یا کبھی باہر چبوترے پر، اور کبھی کبھی اُوپر کی منزل کے صحن میں ہوتی تھی پھر بھی میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسجد بھی خانقاہ سے متصل ضرور رہی ہوگی۔

جماعت خانے سے ملی ہوئی جنوب کی سمت میں ایک اور سہ منزلہ عمارت تھی یہاں شیخ شب میں آرام فرماتے تھے اور باوجود ضعیفی کے پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے زینے سے اُتر کر

نیچے تشریف لاتے تھے حالانکہ یہ زینہ خاصا تنگ اور ناہموار تھا اس کی سیڑھیاں اونچی اونچی تھیں اس لئے ضعیف آدمی کے لئے خاصا تکلیف دہ تھا۔

زینے سے چڑھ کر اُوپر دائیں طرف جائیے تو صحن کے مشرقی کونے میں جو دریا کی طرف تھا نیچے آنگن کے برگد کی شاخوں نے سایہ کر رکھا تھا یہاں ایک چھوٹی سی دیوار اُٹھا دی گئی تھی جو قدِ آدم نہیں تھی، اور سامنے دریا کا نظارہ خوب ہوتا تھا۔ مشرق کی طرف دوسرے گوشے میں ایک کمرہ لکڑی کی دیواریں کھڑی کر کے بنا لیا گیا تھا۔ زینے سے جو شخص اُوپر آتا تھا وہ سامنے اپنی بائیں طرف حضرت کو فوراً دیکھ سکتا تھا یہاں جاڑوں میں دھوپ بھی خوب رہتی تھی کبھی حجرے کے سامنے صحن میں حضرت کی نشست ہوتی تھی آپ ہمیشہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔

اُوپر کی طرف زینے کے دو دروازے تھے۔ بایاں حضرت کے حجرے میں لے جاتا تھا، اور داہنا بالا خانے کے صحن میں۔ حجرہ خاص کے دروازے کی دہلیز کچھ چوڑی تھی اور کمرے کا فرش اُس سے نیچا تھا جس پر آنے کے لئے ایک سیڑھی اُترنا پڑتا تھا۔ سامنے مشرق کی طرف ایک پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر حضرت شب کو آرام فرماتے تھے اور اس حجرے کے پانچ در شمال کی طرف کھلتے تھے۔ ایک بار امیر حسن دہلوی حاضر ہوئے جیسے ہی اُنھوں نے سیڑھی سے اُتر کر تعظیم دی حضرت نے فرمایا "وہیں سیڑھی پر بیٹھ جاؤ"۔ امیر حسن بیٹھ گئے۔ اُس وقت ہوا تیز چل رہی تھی اور دروازے کا ایک کواڑ بار بار ہوا کے زور سے بند ہو جاتا تھا۔ امیر حسن نے اس کواڑ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح ایک ہاتھ سے کواڑ پکڑے بیٹھے رہے، اچانک شیخ نے دیکھا تو فرمایا "کواڑ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"۔ امیر حسن نے سر جھکا کر عرض کیا کہ بندے نے یہ در پکڑ لیا ہے۔ حضرت اس پُر معنی جملے پر مسکرائے اور فرمایا "ہاں پکڑ لیا ہے اور مضبوطی سے پکڑا!" پھر فرمایا کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کہا کرتے تھے "ہر دری اور ہر سری مت بو یک در گیرو محکم گیر"۔

شیخ عموماً سب کے ساتھ فرش پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک بار آپ پلنگ پر بیٹھے تھے اور سب حاضرین فرش پر تھے، آپ نے معذرت کی اور فرمایا کہ میری ٹانگ میں تکلیف ہے اس لئے فرش پر نہیں بیٹھ سکتا۔ حجرے میں لکھنوتی کے بوریے بچھے ہوئے تھے حضرت کے بائیں ہاتھ کو ایک کونے میں صراحی اور کوزے رکھے ہوتے تھے۔

اگر آرام کا وقت ہوتا اور امیر خسروؒ جیسے چند مخصوص حضرات حجرے میں ہوتے تو آپ پلنگ پر آرام فرما ہوتے تھے۔ لحاف یا رضائی اس طرح اوڑھ لیتے کہ اُس میں صرف چہرہ مبارک نظر آتا رہتا۔ خواجہ اقبال طاق میں سے تسبیح اُٹھا کر آپ کی انگلیوں میں اٹکا دیتے اور اُس کے دانے آہستہ آہستہ گردش کرنے لگتے۔ آپ کبھی آنکھیں کھول کر حاضرین کی طرف دیکھ لیتے تو سب کی نظریں جھک جاتیں آپ کی ہیبت کی وجہ سے کسی کی مجال نہیں تھی کہ آنکھ ملا کر بات کر سکے۔

ایک بار آپ کے سامنے کسی نے یہ تذکرہ کیا کہ شیخ بُرھان الدین غریب کو وہ چار کلمات معلوم ہیں جو نمازِ چاشت کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور جن کی خاصیت یہ ہے کہ دو کلمات سے دنیا حاصل ہوتی ہے اور دوسے آخرت۔ شیخ نے مولانا غریب سے پوچھا "یاد ہیں؟" عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "سناؤ" اب اُنہوں نے ہر چند دماغ پر زور دڈالا یاد نہیں آئے۔ حضرت نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔ تمہیں یاد ہیں مگر اس وقت میری مہابت سے زبان پر نہیں آرہے ہیں"۔

خانقاہ کا نقشہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ خانقاہ کی مشرقی حد پر ایک بڑا سا چبوترہ تھا۔ کبھی کبھی آپ وہاں تشریف فرما ہوتے اُس کی دیوار میں کچھ کھڑکیاں تھیں جو دریائے جمنا کی طرف کھلتی تھیں۔ موسم گرما میں اُن سے ہوا کے خنک جھونکے دامن دریا کو چھوتے ہوئے آتے تھے۔ اس چبوترے کے پاس شمال کی طرف ایک ایسا ہی سہ دری کمرہ بنا ہوا تھا جیسا غرب کی جانب صدر دروازے کے پاس تھا۔ جماعت خانے کے جنوب میں کچھ اور حجرے بھی تھے جو گوداموں کا کام دیتے تھے۔ ایک حجرے میں کھجوروں کا انبار لگا ہوا تھا دوسرے میں غلّے کی بوریاں رکھی تھیں، اسی طرح دوسری خوردنی اشیاء کا ذخیرہ رہتا تھا۔ سارے سامان کی نگرانی اور خریداری خواجہ اقبال کرتے تھے۔ سامان کی فراہمی کچھ افغانی اور خراسانی لوگ کرتے تھے ایک خراسانی کی طرف حساب میں سات سو ٹنکے باقی تھے وہ ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ خواجہ اقبال نے اُس سے یہ رقم وصول کرنے کے لئے اُس کے پیروں میں بیڑی ڈال کر ایک حجرے میں بند کر دیا۔ وہ خراسانی چاہتا تھا کہ کسی طرح شیخ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مجھے خواجہ اقبال نے قید کر رکھا ہے مگر خواجہ اقبال کا رُعب داب تھا کہ کوئی شخص یہ خبر شیخ تک پہنچا نہیں سکتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے خواجہ اقبال قیلولہ کرنے کے لئے اپنے گھر چلے گئے اور اُس خراسانی نے زور لگانا شروع کیا۔ زنجیر کی جھنکار سُن کر چوکی پہرے کے لوگ آگئے تاکہ خراسانی کو باہر نہ نکلنے دیں۔ اسی اثناء میں حضرت ظہر کی نماز کے لئے تشریف

لائے اور دور سے زنجیر کی جھنکار آپ کے کانوں میں آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو خراسانی بیڑی میں بندھا پڑا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ بیڑی تمہارے پیروں میں کس نے ڈالی؟" اُس نے کہا کہ خانقاہ کے حساب میں سات سو تنکے میری طرف باقی ہیں وہ میں ادا نہیں کر سکا۔ خواجہ اقبال نے مجھے باندھ کر اس حجرے میں ڈال رکھا ہے۔ آپ نے فوراً ایک خادم کو حکم دیا لالا کو بلا کر لاؤ۔"

وہ آئے تو آپ بہت ناراض ہوئے "لالا یہ تم کیسے نامعقول کام کرتے ہو" خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ "یہ بے ایمان ہے ہمارے سات سو تنکے خورد برد کر گیا ہے، اور کسی طرح ادا نہیں کرتا اس لئے میں نے باندھ دیا ہے" حضرت نے غصے سے فرمایا "تمہارا کیا ہے؟ سب اللہ کا مال ہے، اللہ کی ملکیت ہے اللہ کے بندے ہیں۔ کچھ میں کھاتا ہوں کچھ تم کھاتے ہو۔ کچھ اس بے چارے نے بھی کھا لئے تو کون سا غضب ہو گیا؟ اِسے ابھی رہا کرو"۔ فوراً ایک خادم کو بھیج کر لوہار کو بُلوایا۔ اس نے آکر چھینی سے بیڑی کاٹی اور جب تک وہ آزاد نہیں ہو گیا۔ شیخ وہیں کھڑے رہے۔

اب پھر جماعت خانہ کی تفصیل جو باقی رہ گئی ہے وہ بیان کرتا ہوں۔ اس سے متصل لنگر خانہ اور مطبخ تھا جس کے انچارج خواجہ بُرہان الدین غریب تھے۔ یہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کے لئے عام لنگر تھا۔ یہ کھانا بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا، دال، شوربا، کھچڑی، ہریسہ مختلف اقسام کے کھانے ہوتے تھے۔ متعدّد باورچی اور اُن کے مددگار ہر وقت کام میں معروف نظر آتے تھے۔ دیگیں مانجھنے کی خدمت شیخ کمال الدین کے ذمّہ تھی جنہیں بعد کو شیخ نے مالوہ کی طرف بھیج دیا تھا۔ شیخ کی خدمت میں طرح طرح کے لوگ آتے رہتے تھے اور اُن کے لئے خدام بار بار کھانا لے کر آتے تھے۔ اپنے شیخ کی طرح شیخ کا معمول بھی یہ تھا کہ ہر آنے والے کو اصرار کر کے کچھ ضرور کھلاتے تھے۔ آپ نے بارہا اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی۔ [۱۲]

"مَنْ زَارَ حَيًّا وَلَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَأَنَّهُ زَارَ مَيِّتًا۔"

"جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ کھایا نہیں تو گویا اُس نے ایک مُردے کی زیارت کی۔"

ایک دن دو آدمیوں کے لئے کھانا لایا گیا۔ مولانا حسام الدین حاجی، مولانا جمال الدین اور دوسرے حضرات

---

[۱۲]۔ فوائد الفواد: ۲۳۲ (طبع لاہور)
دررِ نظامی (باب ۲۶) قلمی نسخہ

بھی بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ "جس کا روزہ نہ ہو وہ کھانے میں شریک ہو جائے"۔ یہ ایام بیض تھے اور سب کا روزہ تھا۔ کھانا اُن دونوں زائروں کے سامنے رکھ دیا گیا حضرت نے فرمایا کہ "جب کوئی ملنے آئے تو کھانا پیش کرنا چاہیئے مگر یہ نہیں پوچھنا چاہیئے کہ تمہارا روزہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہے کہ روزہ ہے تو ریاکاری کا شائبہ ہوتا ہے اگر وہ سچا اور راسخ آدمی ہے اور ریاکاری سے کوسوں دور ہے تب بھی یہ کہنے پر اسکی ایک خفیہ عبادت اعلانیہ عبادت کے دفتر میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ روزے سے نہ ہو اور کہے کہ ہوں تو جھوٹ کا مرتکب ہوا۔ خاموش رہے تو پوچھنے والے کی توہین ہے لہٰذا یہ سوال ہی نازیبا ہے"۔

خانقاہ میں ظاہری آرائش کا سامان بالکل نہیں تھا، مگر ضرورت کا سب سامان تھا ایک شخص درویشوں سے بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تم شیخ نظام الدین کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے؟۔ اُس نے کہا کہ میں ایک دن وہاں بیعت کرنے کی نیت سے گیا تھا۔ دیکھا تو وہاں نفیس کمخواب کے پردے پڑے ہیں، کافوری شمعیں روشن ہیں۔ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر میرا دل ہٹ گیا اور واپس چلا آیا۔ یہ قصہ شیخ کے سامنے بیان ہوا تو آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ "یہاں جامہ ہائے خواب اور شمعیں کب تھیں"۔ پھر مسکرا کر فرمایا کہ اس کی قسمت میں بیعت کی دولت نہیں تھی اس لئے اُسے یہ چیزیں دکھا دی گئیں۔ امیر حسن نے کہا کہ "اگر جامہ خواب اور شمعیں ہوں بھی تو اُن سے کس کا اعتقاد کیوں فاسد ہو؟"۔ شیخ نے فرمایا کہ "بعض لوگوں کا اعتقاد ذرا سی بات سے خراب ہو جاتا ہے اور بعض کا اعتقاد بہت قوی ہوتا ہے"۔

معمولاتِ زندگی

دہلی میں ابتداء ہی سے آپ کا یہ معمول تھا کہ مہینے میں ایک بار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تمام رات مزار کے پائنتی مراقبے میں بیٹھے رہتے تھے۔ ایک رات کو آپ زانو پر سر رکھے ہوئے مراقب بیٹھے تھے اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی بہت خوش الحانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ آپ نے سمجھا کہ یہ آواز حضرت قطب صاحب کے مزار سے آرہی ہے لیکن پھر غور سے سنا تو حضرت قطب صاحب کے مزار کے قریب جو قبر واقع ہے اُس سے آرہی تھی۔

ایک بار آپ قطب صاحب کے مزار پر مراقبہ کر رہے تھے اُس وقت دل میں سوچا کہ حضرت کی روح تو عالمِ علوی میں ہے، نہ جانے آپ کو میرے حاضر ہونے کی خبر بھی ہوتی ہوگی یا نہیں"۔ اُس وقت دیکھا تو قطب صاحب کی صورت مثالی سامنے تھی اور وہ فرما رہے تھے ۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجان گر تو آئی بتن

(مجھے بھی تم اپنی ہی طرح زندہ سمجھو۔ اگر تم جسمانی طور پہ آتے ہو تو میں روحانی طور پہ تمہارے پاس موجود رہتا ہوں۔)

قطب صاحب کی درگاہ میں آپ قاضی حمید الدین ناگوری اور قطب صاحب کے مزاروں کے درمیان بیٹھ کر نماز پڑھتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے اس مقام پر بہت لذت اور راحت پائی ہے۔ پھر فرمایا کہ "جگہ میں کیا رکھا ہے اصل برکت تو ان دونوں بزرگوں کی ہے ورنہ آخر ادھر اُدھر دونوں طرف بادشاہوں کے مقبرے بھی ہیں"۔ یہ بھی فرمایا کہ "قطب صاحب کی درگاہ کبھی ابدال سے خالی نہیں رہتی"۔

غیاث پور کی خانقاہ میں منتقل ہونے کے بعد بھی جب فتوحات کی کثرت ہو گئی تھی آپ قطب صاحب کی درگاہ میں حاضری دینے کے لئے بڑی پابندی اور اہتمام سے تشریف لے جاتے تھے۔ مریدوں اور خادموں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی متعدد گاڑیوں میں جنس، غلہ، کپڑے، اور نقدی وغیرہ رکھے جاتے، جو راستے میں مسکینوں اور غریبوں کو تقسیم کئے جاتے۔ یہ کام خواجہ اقبال کے ذمے تھا۔ راستے میں شیخ نجیب الدین متوکل اور حضرت کی والدہ ماجدہ کے مزارات بھی تھے وہاں فاتحہ پڑھتے ہوئے خانقاہ قطب صاحب میں پہنچتے تھے۔

کبھی درگاہ میں قلندر، جوالقی اور حیدری فقیر، غل مچاتے ہوئے گھس آتے سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق، گلے میں موٹا سا لوہے کا طوق، ایک ایک ہاتھ میں دس دس لوہے کے کڑے، چمٹا تھامے، کشکول پہنے، دم مست قلندر کی صدا لگاتے ہوئے۔ یہ لوگ جو منہ میں آتا کہتے رہتے حضرت بڑے صبر و تحمل اور ادنی سی ناگواری کے بغیر اُن کی باتیں سنتے اور جو کچھ اُن کا مطالبہ ہوتا وہ دے کر انہیں رخصت کرتے ایک بار کوئی جوالقی درویش آیا اور اُس نے بہت کچھ اول فول بکا۔ حضرت نہایت سکون کے ساتھ سنتے رہے، پھر اُس نے کچھ مانگا۔ وہ اُسے دے دیا گیا۔ جاتے ہوئے اُس نے پکار کر دعا دی: "تا جہان باد جُرم ما باد و احتمالِ شما"۔ یعنی جب تک دنیا قائم ہے ایسے ہی گستاخیاں کرتے رہیں اور تم یونہی برداشت کرتے رہو۔"

اُس کے جانے پر حضرت نے فرمایا کہ اِن باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ صبح سے شام تک خانقاہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو قدم چومتے ہیں اور سیکڑوں نذریں اور تحفے پیش کرتے ہیں۔ اگر ایسے قلندر بھی آتے رہیں جو اول فول بکیں اور دھونس سے وصول کریں تو ان سے اُن کا کچھ کفارہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت شیخ اُن دنوں کو چھوڑ کر جن میں روزہ مکروہ ہے ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اس لئے آپ دن میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے لئے سحری کے وقت خواجہ عبدالرحیم ایک خوان میں کچھ کھانا لے کر آتے اور دروازہ کھٹکھٹاتے۔ آپ اُس وقت تہجد پڑھ کر ذکر و مراقبے میں مشغول ہوتے یا گریہ وزاری کا غلبہ ہوتا تھا کھٹکا سُن کر حضرت خود اُٹھتے اور حجرے کی کنڈی کھول دیتے۔ خواجہ عبدالرحیم سلام عرض کرتے اور کھانے کا خوان فرش پر رکھ دیتے۔ آپ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ روک لیتے۔ اگر کبھی خواجہ عبدالرحیم کہتے کہ "حضرت آپ افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھاتے اور اِس وقت بھی۔ اس سے تو کمزوری بہت بڑھ جائے گی" تو حضرت کی آواز رُندھ جاتی اور آنکھوں میں آنسو اُمڈ آتے اور بڑے درد سے فرماتے کہ "اللہ کے ہزاروں مسکین بندے سڑکوں پر، دکانوں کے تختوں پر، اور مسجدوں کے کونوں میں بھوکے پڑے رات گذار رہے ہیں۔ یہ کھانا نظام الدین کے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے!"

سحری کے بعد آپ نیچے تشریف لاتے، اور خواجہ سید محمد کی امامت میں فجر کی نماز ادا کرتے۔ سید محمد امام حضرت بابا فریدؒ کے نواسے تھے اور آواز میں بلا کا سوز و گداز تھا، جب فجر کی نماز میں طویل سورتیں خوش الحانی سے پڑھتے تو در و دیوار پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ حضرت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور خواجہ محمد امام بھی اکثر گریہ ضبط نہ کر پاتے۔ نماز کے بعد آپ نے خواجہ محمد امام کو متعدد بار اپنا خاص لباس مرحمت فرمایا۔ نماز کے بعد اُوپر حجرے میں جا کر قرآن شریف کا ایک پارہ تلاوت کرتے اور پھر ذکر و مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔ یہ نزولِ انوار کا خصوصی وقت ہوتا تھا اور آپ پر ایسی شدت سے گریہ طاری ہوتا تھا کہ بے چین ہو جاتے تھے۔ پھر اشراق اور چاشت کی نمازیں پڑھ کر دس بجے کے قریب نیچے جماعت خانے میں تشریف لاتے اور سجادے پر جلوہ افروز ہوتے۔ اُس وقت ملوک و اُمراء، علماء، درویش، فقراء، مساکین، بیعت کے خواہشمند دور و نزدیک سے آتے ہوئے عقیدت مند، سب طرح کے لوگ مجلس میں موجود ہوتے اور ساری خانقاہ میں عجب چہل پہل نظر آتی تھی۔

خلقِ خدا کی دلجوئی و دلداری، اور بندگانِ خدا کو راحت رسانی میں قیلولہ کرنے تک معروف رہتے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد، جب سایہ ڈھلنے لگتا تو آپ بیدار ہوتے خواجہ اقبال یا خواجہ مبشر باہر ہی سے آپ کے بیدار ہونے کی آہٹ پاکر حجرے میں داخل ہوتے۔ آپ دریافت فرماتے: "لالا کیا دھوپ ڈھل گئی ہے؟" خواجہ اقبال عرض کرتے: "جی ہاں اذان ہونے ہی والی ہے۔" پھر آپ دریافت فرماتے: "کوئی ملنے والا تو نہیں آیا؟" اگر کوئی ہوتا تو اُسے فوراً طلب فرماتے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دن آپ قیلولہ فرما رہے تھے کوئی درویش حضرت کے پاس آیا۔ آپ کے خادم آغی مُبارک نے اُس درویش کو ڈانٹ کر بھگا دیا، اور یہ کہا کہ اس وقت شیخ آرام فرما رہے ہیں۔ آپ نے اُسی دن بابا صاحبؒ کو خواب میں دیکھا کہ عتاب فرما رہے ہیں کہ ایک درویش تمہاری خانقاہ سے دل شکستہ ہو کر گیا ہے۔ اُس دن کے بعد سے آپ کا حکم تھا کہ کوئی بھی ملنے والا آئے آپ کو فوراً اطلاع دی جائے خواہ آپ قیلولہ کر رہے ہوں۔

قیلولے سے بیدار ہونے کے بعد آپ وضو فرماتے۔ نماز کے بعد پھر حجرے میں تشریف فرما ہوتے اور عصر کے وقت تک اس شہنشاہِ بے تاج و سریر کا دربار ہوتا جس میں داد و دہش، جود و کرم، بذل و عطا اور لطف و مرحمت کا بازار گرم رہتا۔

مغرب کا وقت ہوتا تو آپ سب درویشوں کے ساتھ ایک کھجور اور ایک کوزہ شربت سے روزہ افطار کرتے اور نمازِ مغرب کے بعد اُوپر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر بعد خواجہ عبدالرحیم کھانا لے کر آتے۔ دسترخوان بچھایا جاتا۔ شیخ کے اقربا، سید محمد کرمانی کے بیٹے پوتے، مولانا فخرالدین زرّادی، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا تاج الدین یار، امیر خسرو اور اُن کے چھوٹے بھائی عزیزالدین علی شاہ، امیر حسن، اُن کے بھتیجے میر بچو، بھانجے شمس الدین ماہرو، مولانا حسام الدین حاجی، خواجہ سید محمد امام خواجہ موسیٰ وغیرہ دسترخوان کے دونوں طرف صف بستہ ہو جاتے۔ دسترخوان بچھ جاتا اور کھانا رکھا رہتا۔ کھانے کے لئے آپ داہنے ہاتھ کی آستین اُوپر چڑھا لیتے کھانے میں اوروں کے لئے طرح طرح کی چیزیں ہوتی تھیں مگر خود آدھی روٹی یا بہت ہوا تو ایک روٹی سبزی سے کھاتے تھے زیادہ تر کریلے آپ کو پسند تھے، کبھی تھوڑا سا خشکہ تناول فرما لیتے تھے۔ سب کا ساتھ دینے کے لئے آپ بہت آہستہ آہستہ کھاتے تھے اور دسترخوان پر حتی الوسع پانی نہیں پیتے تھے۔ کھانے

کے بعد خواجہ محمد موسیٰ اور خواجہ محمد امام بلند آواز سے "دعائے مائدہ" پڑھتے تھے اگر کبھی دونوں بھائی موجود نہ ہوتے تو باباصاحب کے پوتے خواجہ عزیزالدین صوفی دعا پڑھتے تھے اور بیچ بیچ میں شیخ بلند آواز سے "رحمت باد۔ رحمت باد" فرماتے جاتے تھے۔

کھانے کے دوران ہلکی پھلکی اور پُر لطف باتیں ہوتی رہتی تھیں آپ فرماتے تھے کہ خاموش بیٹھ کر کھانا یہودیوں کا طریقہ ہے۔ مگر جب دستر خوان پر ہوتے تو نہ آپ کسی کو سلام کرتے نہ کسی کے سلام کا جواب دیتے۔ جب تک سب لوگ کھاتے رہتے آپ کھانے سے دست کش نہ ہوتے اور کھانے کے بعد جب تک تمام برتن اور دستر خوان بڑھا نہ دیا جاتا آپ اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر آپ عشاء کی نماز ادا کرنے کے لئے نیچے تشریف لاتے تھے۔ نماز کے بعد اوپر جاتے، آپ پلنگ پر لیٹ جاتے۔ اب تخلیہ ہو جاتا تھا اور سوائے حضرت امیر خسرو یا شیخ کے چند قرابت داروں کے کوئی شخص آپ کے کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ امیر خسرو آتے تو آپ بڑی شفقت سے فرماتے "آؤ ترک آؤ۔ سناؤ آج کی کیا خبریں ہیں؟" امیر خسرو دن بھر دربار میں رہتے تھے اس لئے سارے شہر کی اچھی بُری خبریں انہیں ملتی تھیں۔ جو باتیں شیخ کو سنانے کی ہوتیں امیر خسرو اپنے مخصوص شیریں اور دل نشیں انداز میں مزے لے لے کر سناتے۔ کبھی لطیفے کبھی حکایتیں، کبھی اشعار، کبھی صرف لچھے دار باتیں۔

اگر امیر خسرو کبھی دہلی سے باہر چلے جاتے، تو رات کا وقت حضرت کے مطالعے کا ہوتا تھا۔ رات کو باریک سے باریک خط میں لکھی ہوئی کتاب بے تکلف پڑھ لیتے تھے۔ شیخ کی عادت تھی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جو بات ذہن میں آتی تھی خواہ وہ مضمونِ کتاب کی تائید میں ہو یا تردید میں اُسے کتاب کے حاشیے پر لکھتے جاتے تھے۔ یہ حواشی عموماً عربی میں ہوتے تھے۔ امیر خورد نے ایسی بہت سی عبارتیں سیرالاولیاء میں جابجا نقل کر دی ہیں یہ سب اُن کتابوں سے ماخوذ ہیں جو شیخ کے زیرِ مطالعہ رہی تھیں اور سیرالاولیاء کی تالیف کے وقت تک خانقاہ کے بچے کھچے کتب خانے میں موجود تھیں۔

کبھی آپ مؤلف سیرالاولیاء کے چچا سیّد خاموش کو بُلوا بھیجتے اور اُن سے نظامی گنجوی کا خمسہ سُنا کرتے تھے۔ شیخ کی زیارت کے لئے جو لوگ شہر سے آتے تھے اور اُن کی تعداد خاصی ہوتی تھی۔ اُن کے لئے نمازِ مغرب کے بعد شہر کو واپس جانا ممکن نہ ہوتا تھا کیونکہ راستے خراب، تاریک اور پُر خطر

تھے۔ اس لئے ایسے لوگوں کی خاصی تعداد خانقاہ ہی میں رہ جاتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ عشاء کی نماز کے بعد سید خاموش کے مکان پر محفل سماع جم جاتی اور رات گئے تک وجد و حالی اور ذوق و شوق کا پُر کیف سماں بندھا رہتا حضرت نظام الدین اولیاء کا دوسرا مکان خانقاہ سے تقریباً ڈیڑھ میل دور جمنا کے کنارے کیلوکھڑی کی جامع مسجد کے پاس تھا۔ یہ چھوٹا سا مگر صاف ستھرا گھر تھا۔ کبھی آپ جمعرات کو نماز عصر کے بعد کیلوکھڑی والے مکان میں چلے جاتے تھے ورنہ معمول یہ تھا کہ جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد، اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر سب سے پہلے "تجرید" کرتے، یعنی خانقاہ میں جو کچھ کھانے پینے کا سامان ہوتا سب فقراء میں بانٹ کر گوداموں میں جھاڑو دلوا دیتے، پھر آٹھ، نو بجے کے قریب اشراق کی نماز پڑھ کر روانہ ہوتے۔ خط بنوانے اور ناخن ترشوانے کے لئے جمعرات کا دن مقرر تھا، جمعہ کو نماز سے پہلے غسل فرماتے، نیا لباس زیب تن فرماتے، خوشبو اور سُرمہ لگاتے، اور پھر سنگھاسن میں بیٹھ کر کیلوکھڑی کی جامع مسجد میں تشریف لاتے۔ یہ خاصی بڑی اور خوبصورت مسجد تھی، اس کا صحن بہت وسیع تھا۔ مسجد کے بیرونی دروں کے اوپر محراب نما کنگرے بنے ہوئے تھے جیسے پُرانے قلعے کے سامنے خیر المدارس کے برابر کی عمارت میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کنگروں پر سنہری روغن کیا گیا تھا، جب سورج بلند ہوتا اور ان کنگروں پر شعاعیں پڑتیں تو یہ ایسے جگر جگر کرتے تھے کہ ان پر نگاہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ مسجد کے دو دروازے تھے ایک شمال مشرقی کونے میں جمنا کے قریب تھا اور دوسرا جنوب مغرب میں تھا۔ حضرت جنوبی دروازے سے تشریف لایا کرتے تھے اور آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ بھی دروازہ جنوب کی طرف مخصوص تھی۔ خواجہ ابوبکر آپ کا مصلیٰ لے کر پہلے ہی مسجد میں آجاتے تھے اور مصلیٰ بچھا کر ایک طرف بیٹھے وظیفہ پڑھتے رہتے تھے۔

مسجد میں نماز کے بعد سارا مجمع آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑتا تھا اور نماز ختم ہونے سے ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد، آپ مسجد سے باہر تشریف لا سکتے تھے۔ ایک بار امیر حسن دہلوی بھی اس بھیڑ میں گھس کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری خانقاہ کے حاضر باش ہیں وہ یہاں مسجد میں ملنے کی کوشش نہ کیا کریں۔ ابتدائی زمانے میں جب آپ کی معاش تنگ تھی اور فتوح زیادہ نہیں تھی، آپ جمعہ کی نماز کے بعد پیادہ پا خانقاہ کو واپس ہوتے تھے اور ساڑھے تین چار بجے تک وہاں پہنچتے تھے پھر شیخ نور الدین ملک یار پرانؒ کے ایک مرید نے ایک گھوڑی ہدیہ کر دی تو آپ سوار ہو کر آتے تھے۔ بڑھاپے

میں جب گھوڑے کی سواری کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی تو محافہ یا سنگھاسن میں تشریف لاتے تھے۔ محافے کے پیچھے خدام اور مریدین کی بہت بڑی تعداد چلتی تھی۔

خانقاہ میں نمازِ عصر کے بعد مغرب تک بے تکلف محفل ہوتی تھی جس میں مولف سیرالاولیاء کے چچا قطب الدین حسین کرمانی اپنی پُر لطف باتوں سے حضرت کو محظوظ کرتے۔ دوسرے علماء مشائخ اور امراء، ادب سے بیٹھے سُنا کرتے۔ کبھی خواجہ موسٰی موجود ہوتے۔ انہیں تیراندازی تیراکی اور پہلوانی کا شوق تھا حضرت اُن سے کشتی کے داؤ پیچ کی باتیں کرتے اور خود بھی اس کے گر بتلاتے۔

ظاہری زندگی تو شیخ کی یہ تھی۔ کوئی جاگیر یا منصب نہیں تھا، کوئی مستقل آمدنی، کوئی دنیا کا عہدہ، کوئی کھیت، دکان، تجارت، کچھ نہیں۔ پھر بھی ہر طرح کا باطنی فراغ نصیب تھا، اور اُس زمانے کے بڑے بڑے اُمراء بلکہ شہنشاہوں سے بھی زیادہ نصیب تھا۔ مگر اس کو نہ دیکھئے۔ اقبالؒ نے کہا ہے:

کم نظر بیتابیٔ جانم نہ دید آشکارم دید و پنہانم ندید

خواجہ عزیزالدین نام کے ایک بزرگ حضرت باباصاحب کے مرید تھے اور کسی سرکاری دفتر میں کلرک تھے وہ ایک بار شہر میں کسی دعوت میں گئے اور واپسی عصر کے وقت ہوئی۔ حضرت نظام الدین نے پوچھا کہاں رہے ہو؟ کہنے لگے "ایک جگہ دعوت میں گیا تھا وہاں کچھ باتیں چھڑ گئیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ حضرت نظام الدین کے باطنی فراغ کو دیکھ کر رشک آتا ہے اُنہیں اس دنیا کا کوئی غم نہیں۔" حضرت نے سنا اور آبدیدہ ہوگئے، فرمانے لگے:

"آں قدر غم و اندوہ کہ مراست، ہیچ کس را دریں جہاں نیست۔ زیراکہ چندیں خلق می آیند غم و اندوہِ خویش می گویند ہمہ بر دل و جانِ من می نشیند۔"

"مجھے جتنا غم و اندوہ ہے اتنا تو اس دنیا میں کسی کو بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ کی اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنی اپنی بپتا مجھے سناتی ہے وہ سب میرے دل و جان میں پیوست ہو جاتی ہے۔"

۴۔ آخری زمانہ اور وفات

۷۲۵ھ کے آغاز یعنی دسمبر ۱۳۲۴ء میں آپ کے مرض الموت کا آغاز ہوا۔ سیرالاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو گلے کی بیماری ہوئی تھی۔ میں ابھی اس بیماری کی نوعیت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ لیکن

بیماریاں پہلے کثرت سے ہوتی تھیں اور اب بعض علاقوں سے ناپید ہو چکی ہیں۔ مثلاً عہدِ سلطنت میں شمالی ہندوستان خصوصاً دہلی میں نارو کی بیماری بہت عام تھی یہ اب شمالی ہند میں نہیں ہے مگر کیرالا کی طرف آج بھی اس کے مریض کثرت سے ملتے ہیں۔ ایسی ہی کوئی بیماری غلہ بھی تھی۔ بابا صاحب کو بھی آخر عمر میں یہی مرض ہوا تھا۔ چونکہ سیر الاولیاء میں یہ کہا گیا ہے کہ شیخ کی بھوک بند ہو گئی تھی اور بول و براز بھی نہیں ہوتا تھا اس سے پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ غدۂ مذی (PROSTATE GLAND) کی بیماری تھی۔ لیکن اس مرض کی جو علامات بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ سارے بدن میں سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور غدہ مذی کے ورم میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ بلڈ پوریا ہو جاتا ہے اور مریض زیادہ عرصے جی نہیں سکتا۔ پھر یہی بیماری خواجہ گیسو درازؒ کو ۲۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ ورمِ غدۂ مذی کا چالیس پچاس سال کی عمر سے پہلے امکان نہیں ہوتا عموماً ساٹھ سے تجاوز کرنے کے بعد یہ شکایت ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں اطبائے یونانی کے پاس اس کا علاج "روغنِ خشت" تھا جسے مالش کر کے سینکا جاتا تھا۔

کثرتِ ریاضت و مجاہدات، قلتِ طعام اور خواب و خور میں غیر معمولی کمی کے سبب سے شیخ خاصے ضعیف ہو گئے تھے اور سنِ شریف اسّی سے تجاوز کر چکا تھا۔ اس وقت یہ غلہ کی بیماری حجابِ ظاہری کے درمیان سے اُٹھنے کا ایک بہانہ بن گئی۔

انتقال سے کوئی چھ ماہ پہلے سے حضرت کا استغراق بھی بہت بڑھ گیا تھا اور معمولات میں بے قاعدگی ہونے لگی تھی۔ کوئی چیز کھانے کے لئے پیش کی جاتی اور آپ تناول فرما لیتے مگر اُسی وقت بھول جاتے تھے کہ کیا کھایا ہے؟ کوئی بات کہہ کر یاد نہیں رہتا تھا کہ کیا کہا ہے۔ مگر اُس زمانے میں بھی جب تعلیم و تلقین کی نوبت آتی سلوک و تصوف کا کوئی نکتہ بیان فرماتے، یا کسی دینی مسئلے کی وضاحت کرتے یا کسی آیت اور حدیث کے معنی بیان کرنے لگتے تو حافظہ بالکل ٹھیک کام کرتا تھا اور نہایت مربوط اور پُر مغز گفتگو فرماتے تھے۔ البتہ اُمورِ بشری کی تکمیل کے وقت استغراق کا اندازہ ہوتا تھا۔

انتقال سے تین ماہ اور ستائیس دن قبل ۸ دسمبر ۱۳۲۴ء کو ہفتے کے دن نصیر الدین چراغ دہلی مولانا فخر الدین زرّادی، سید حسین کرمانی، اور امیر خسرو نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اب شیخ کا آخری وقت

آ پہنچا ہے اور آپ اس دنیا سے جلد ہی پردہ فرمانے والے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ شیخ کی خلافت کے لئے مرضی معلوم کرلی جائے اور جو لوگ خلافت یا جانشینی کے اہل ہو سکتے ہیں اُن کے ناموں کی ایک فہرست بنا کر شیخ کے ملاحظے میں پیش کردی جائے۔ یہ کام امیر خسرو کے سپرد ہوا۔ اُنہوں نے ایک کاغذ پر ۲۲ نام لکھے یہ سب وہ لوگ تھے جو علم و فضل، زہد و ورع، اور عشق و ذوق کی نعمت سے فیض یاب تھے۔ مناسب وقت دیکھ کر امیر خسرو نے وہ فہرست ملاحظے سے گذاری آپ نے کاغذ پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: "اتنا بڑا طومار کیوں لکھوالائے ہو"۔ امیر خسرو نے فوراً پرچہ لے لیا اور اُس فہرست میں کاٹ چھانٹ کر کے دوسری مختصر فہرست تیار کی جس میں چند نام تھے۔ یہ فہرست حضرت کے ملاحظے میں پیش کی گئی تو مولانا اخی سراج کا نام دیکھ کر شیخ نے فرمایا "اس کام (خلافت) میں علم پہلی شرط ہے"۔ اس کے بعد ہی خاصی پختہ عمر میں حضرت اخی سراج نے پڑھنا شروع کیا تھا۔

غرض وہ فہرست ایک نظر دیکھ کر حضرت نے واپس کردی اور سید حسین کرمانی سے کہا کہ ان لوگوں کے لیے خلافت نامے لکھ دو۔ مولانا فخرالدین زرّادی بڑے عالم فاضل اور عربی و فارسی انشاء کے ماہر تھے، خانقاہ کے دروازے کے سامنے ہی اُنہوں نے مکان لے رکھا تھا اس لئے ہمہ وقت کے حاضر باش اور دل و جان سے اپنے شیخ کے پرستار تھے۔ انہوں نے خلافت ناموں کا مسودہ عربی میں تیار کیا اور سید حسین نے انہیں نہایت خوش خط لکھا پھر وہ خلافت نامے شیخ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے ایک خلافت نامے کا مضمون پڑھا اور اُسے واپس کرتے ہوئے سید حسین سے فرمایا کہ اس کے آخر میں بحیثیت کاتب اپنا نام لکھو۔ یہ ضروری ہے۔ میرے شیخ حضرت بابا فریدؒ نے جب کچھ مُریدوں کو خلافت نامے دینے کا ارادہ کیا تو مولانا بدرالدین اسحاق کو فرمان ہوا کہ ان عزیزوں کے لئے خلافت نامے لکھ دو۔ ایک پرانے مرید تھے جنہیں خلافت نہیں دی گئی تھی اُنہوں نے کہنا شروع کیا کہ میں اتنے دنوں سے خونِ جگر کھا رہا ہوں شیخ نے مجھے خلافت نہیں دی اب میں اپنے لئے یہ کاغذ کا پرزہ خود ہی لکھ لوں گا۔ شیخ سے کسی نے یہ بات کہہ دی تو اُنہوں نے مولانا بدرِ اسحاق کو حکم دیا کہ جن لوگوں کو تم خلافت نامے لکھ کر دیتے ہو اُن کے آخر میں بحیثیتِ کاتب اپنا نام لکھ دیا کرو تاکہ کسی کو جعل سازی کرنے کی جرأت نہ ہو"۔ سید حسین نے شیخ کا یہ ارشاد سُن کر خلافت ناموں کے آخر میں اپنا نام لکھ دیا، اب شیخ نے اُن پر دستخط فرمائے اور یہ الفاظ لکھے: "من الفقیر محمد بن احمد بن علی البداؤنی البخاری" یہ سب لوگ جن کو

خلافت دی گئی تھی، اُس وقت مجلس میں حاضر تھے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ حضرت نے ایک ایک کر کے اپنے دستِ مبارک سے خلافت نامہ عطا فرمایا اور خلعت خاص بھی سب کو مرحمت ہوا۔ جسے خلافت نامہ دیتے تھے اُسے مختصر لفظوں میں کچھ وصیت بھی فرماتے جاتے تھے۔ مولانا علاؤالدین نیلی اور مولانا شمس الدین یحییٰ کے خلافت نامے بچ رہے کیونکہ یہ دونوں اُس وقت اودھ میں رہتے۔ وہ حضرت نے شیخ نصیرالدین اودھی چراغِ دہلیؒ کو دیئے اور فرمایا انہیں اُن دونوں کے پاس بھجوا دینا۔"

انتقال سے ایک دو ماہ پہلے ایک دن شیخ کے مرید علی بن محمود جاندار حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "آخر کیا سبب ہے لوگ میرے پاس قوالوں کو کیوں نہیں آنے دیتے۔" علی بن محمود نے عرض کیا "بیماری کے سبب مخدوم کو بہت ضعف ہو گیا ہے اس لئے قوالوں کو روک دیا جاتا ہے کہیں سماع سے ضعف اور نہ بڑھ جائے۔" شیخ نے فرمایا "سماع کے وقت میرے اندر اتنی قوت ہوتی ہے جتنی اور کسی وقت نہیں۔"

اُس زمانے میں آپ اکثر حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کا یہ شعر پڑھتے تھے:

خیر بادا گفتم ایجان گرچہ نیست
جانِ خود را گفتن آسان خیر باد

کبھی غفلت سی ہو جاتی کچھ دیر خاموش رہ کر چونکتے اور یہ مصرع زبان مبارک پر جاری ہوتا۔
"می رویم و می رویم۔"

اُس زمانے میں خانقاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی، ہزاروں عقیدت مند دور دور سے شیخ کی زیارت کرنے کو آتے تھے۔ خانقاہ کے خدام اُنہیں پانچ دس کی ٹولیوں میں شیخ کے پاس بھیجتے۔ اُن میں اکثر عقیدت مند روپیہ، یا غلہ یا روٹیاں سات بار حضرت کے اُوپر سے اُتار کر لاتے اور صدقہ کرد خیرات و صدقات کی کثرت کے باعث خانقاہ کے باہر بہت سے فقراء اور مساکین جمع ہو گئے تھے علی بن محمود اپنے غلام کو لے کر آئے جس کا نام "شادی" تھا اور حضرت پر صدقہ کر کے اُسے آزاد کر دیا۔

۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ (مطابق ۲۲ فروری ۱۳۲۵ء) کو جمعہ تھا۔ استغراق اور تحیر کا غا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ کھانا پینا بالکل ترک کر دیا ایک دن آپ کے اقربا نے ستوؤں کا پانی پیش کیا او بہت اصرار کیا کہ آپ نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اس کے دو تین گھونٹ پی لیجئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا ہے؟ عرض کیا: "ستوؤں کا پانی ہے۔" فرمایا "اُدھر دریا میں پھینک دو۔"

کسی وقت عالمِ استغراق سے باہر آتے تو صرف یہ فرماتے:

"کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ میں نے نماز پڑھ لی؟" کوئی کہتا: "جی ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے نماز
ملی تھی۔" فرماتے: "خیر۔ ایک بار اور پڑھ لوں۔" اس طرح ہر نماز کو دو دو، تین تین بار ادا فرماتے۔
ُدن بھی ہوتا فرماتے "آج جمعہ ہے۔ دوست کو اپنا وعدہ یاد کرنا چاہیئے۔" پھر فرماتے: "می رویم د
رویم و می رویم۔"

اب انتقال فرمانے میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ اپنے سب عزیزوں اور خدمت گاروں کو طلب
رمایا۔ سب آ کر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ اقبال حضرت کی پائینتی کو کھڑے تھے اُن کی طرف
شارہ کر کے حاضرین سے فرمایا: "تم سب گواہ رہنا اگر اس نے کوئی چیز خانقاہ میں بچا کر رکھی تو کل خدا
کے سامنے جوابدہ ہو گا۔" خواجہ اقبال نے عرض کیا آپ اطمینان رکھیئے میں کچھ بچا کر نہیں رکھوں گا سب
کچھ حضرت پر صدقہ کر دوں گا۔" یہ کہہ کر خواجہ اقبال فوراً گئے اور چند بوریاں آٹے کے درویشوں کے
کھانے کے لئے روک کر سب سامان محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ سیّد حسین کرمانی نے حضرت کو آ کر
بتایا کہ خانقاہ میں جو کچھ تھا سب فقراء میں تقسیم کر دیا ہے صرف چند روز کے خرچ کا آٹا روک لیا ہے۔ یہ
سُن کر حضرت کے چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر ہوئے۔ فرمایا: "لالا کو بلاؤ۔" خواجہ اقبال بھاگے بھاگے
آئے تو حضرت نے فرمایا: "لالا۔ تم نے یہ آٹا کیوں روک لیا؟" اقبال نے کہا "خانقاہ میں جو کچھ تھا سب
خیرات کر دیا صرف چند روز کے خرچ کا غلّہ اس لئے روک لیا ہے کہ ان ہزاروں بندوں کو کھلانے
کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہے۔ حضرت نے ناگواری کے لہجے میں: "اُن بندوں کو میرے پاس بھیجو۔"
خانقاہ کے سینکڑوں افراد ہر طرف سے آ کر جمع ہو گئے حجرہ اور سارا صحن بھر گیا۔ حضرت نے نحیف و
نزار آواز میں اُنہیں حکم دیا: "تم سب لوگ جاؤ اور گوداموں کے تالے توڑ کر غلّہ لوٹ لو۔" آناً فاناً
ہزاروں آدمیوں نے سب غلّہ لوٹ لیا اور دیکھتے دیکھتے گوداموں میں جھاڑو دے کر ایسا کر دیا جیسے
یہاں کبھی ایک دانہ بھی نہیں تھا۔

خواجہ شمس الدین دامغانی جو شیخ کے ہم مکتب بھی تھے کہنے لگے کہ بہت سے عقیدت مندوں
نے پُرتکلف اور عالیشان مقبرے تیار رکھے ہیں تاکہ اُن میں سے کسی عمارت کو شیخ کا روضہ بننے کی سعادت
مل جائے۔ آپ اس بارے میں کیا وصیت فرماتے ہیں؟" شیخ نے کہا: "مولانا میں کسی کی عمارت

کے نیچے سونے والا نہیں۔ میں تو صحرا میں سوؤں گا۔"

۱۷ ربیع الثانی ۷۲۵ھ (مطابق ۲ اپریل ۱۳۲۵ء) کو بدھ کے دن صبح سات بجے کے قریب آپ "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُقْتَدِرٍ" کے مصداق رحمت الٰہی کے آغوش میں آسودہ ہوئے۔ یہ اس حیات ظاہری کے عارضی دور کا خاتمہ اور اس حیاتِ معنوی کا آغاز تھا جس کا دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔ [۱۳]

---

[۱۳] - درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا۔ ۱۹۷۷ء